ایمل رضا

ایمل رضا

گھر سے نکلتے وقت وہ دونوں چابیاں اپنے ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ اس کا پتا دینے والی یا اس سے سروکار کسی چیز کی گھر میں موجودگی سے اب کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

کم از کم درنایاب ایسا ہی سوچتی تھی۔

"ٹھیک ہے یالآخر ایسا ہی ہونا تھا۔۔۔ مجھے وہ گھر چھوڑنا ہی تھا۔" لندن میں 'سب وے' نامی ریسٹورنٹ میں بیٹھے گرم کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ گزشتہ کئی دنوں سے وہ یہ ہی تو سوچ رہی تھی۔

صبح کا وقت تھا۔ لوگ گھروں سے ناشتے کرکے نکلے تھے۔ اس لیے ریسٹورنٹ بھی تقریباً خالی ہی تھا۔ اس نے گھر سے نکلنے کے لیے صبح کا وقت منتخب کیا تھا اور اب جب وہ اپنے سوچے سمجھے اقدام کو عملی شکل دے چکی تھی تو نجانے کیوں دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"درنایاب۔۔۔" بے قرار دل کو سنبھالتے اپنی ہی یادوں کے گزرے ماہ و سال سے اسے دادی کی پکار سنائی دی تھی۔۔۔ نرم' پیار بھری پکار۔

یہ پکار بھی بہت سی کڑوی کسیلی اور سمجھ بوجھ والی باتوں کی طرح نجانے کب سے اس کے تعاقب میں تھی۔ اس نے اس پکار سمیت کسی نصیحت کو سمجھنے اور اس پر کاربند رہنے کے قابل نہیں سمجھا تھا۔

"درنایاب۔۔۔" دادی کی پکار پھر کہیں فضا میں گونج کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ کر گم ہوگئی۔

"نہیں دادی۔۔۔ اب تو بالکل نہیں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اب واپس جانے کا کوئی دروازہ نہیں بچا۔۔۔ پیچھے مڑنے والے سارے راستے ختم ہوگئے ہیں۔"

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا بیٹی!"

"نہیں دادی! میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ میں راحیل کے بغیر نہیں رہ سکتی۔۔۔ اور میں اس کے ساتھ خوش گوار زندگی گزار کر ممی پر یہ واضح کردوں گی کہ خوشیوں بھری زندگی دولت کے بغیر بھی گزاری جاسکتی ہے۔"

"سن بیٹی۔۔۔"

"آج آپ مجھے سنیے دادی۔۔۔ ممی' پاپا پیار جیسے جذبے کو کیسے جان سکتے ہیں بھلا۔۔۔ ساری زندگی دونوں نے دولت کے علاوہ کسی چیز کو پرکھا ہی کب ہے۔ ٹھیک ہے ان کے سارے اعتراضات درست ہیں۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میری محبت بے معنی ہے۔ محض اسٹیٹس میچ نہ ہونے کی وجہ سے میں راحیل کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ یہ کوئی ٹھوس جواز تو نہیں۔۔۔ نہ ممی' پاپا کے لیے۔۔۔ اور نہ میرے دل کے لیے۔"

"ماں' باپ نے جو کچھ کمایا' وہ تیرے لیے ہی تو کمایا۔۔۔ تو اتنی ناسمجھ کب سے ہوگئی میری جان۔۔۔ تو ایسی تو نہ تھی۔۔۔ ایسے تو نہ سوچتی تھی۔" دادی کی یاد اسے سمجھانے لگی اور اس کی گرم کافی ٹھنڈی ہونے لگی۔ برگر کھانے کو اس کا دل ویسے ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ کل سے اسے بھوک لگ ہی کہاں رہی تھی۔

"تو' تو درنایاب ہے چندا۔۔۔ جانتی ہے اپنے نام کا مطلب۔" بچپن میں دادی اکثر اسے اپنی گود میں بٹھا کر پوچھا کرتی تھیں۔

"جی دادی!" ان کی گود میں پھیل کر بیٹھی ایک طرح سے قابض ہوتے ہوئے وہ بڑے پیار سے کہتی۔
"کیا...."
"قیمتی موتی.... بے مثل نایاب موتی۔"
"شاباش.... میرے گھر کا یہ قیمتی موتی قیمتی دھات میں جڑے گا۔ ان شاءاللہ...."
دادی ہر بار اسے یہ ہی دعا دیتیں اور جس کی سمجھ اسے بہت بعد میں آئی تھی۔ اب وہ گود میں چڑھ کر قابض ہو جانے والی بچی نہیں رہی تھی۔ بڑی ہو گئی تھی۔ اتنی.... اتنی کہ اسے اب ان دعاؤں کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔
ریسٹورنٹ میں دادی کی پرچھائیں اس سے پھر وہی سوال کر رہی تھی۔ وہ جھنجلا گئی۔
"ٹھیک ہے دادی.... میں مانتی ہوں کہ راحیل قیمتی دھات نہیں.... لیکن وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس کی محبت میں خود کو بھلا سکتی ہوں۔"

اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔ پھر جلدی سے ٹھنڈی کافی کا آخری گھونٹ پی کر اپنا بیگ اٹھا لیا تھا اور تیزی سے ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ دادی کے ساتھ مزید سوال جواب نہیں کر سکتی تھی۔ یہ سوال جواب اب اس کے ارادے تو نہیں بدل سکتے تھے۔ لیکن اسے پریشان ضرور کر رہے تھے۔

ٹرین کی سیٹ سے پشت لگا کر اس نے گہرا سانس لیا تھا اور اپنے تھکے ہوئے حواسوں کو نارمل حالت میں لانے کی کوشش کی تھی۔

دادی اگر باطنی طور پر اس دنیا میں موجود ہوتیں تو واقعی اس کی اس پھرتی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن وہ تو نایاب کے دل و دماغ میں گھر کر چکی تھیں۔ اب چاہے وہ نشست بدلتی یا جگہ۔۔۔ دادی سے کیسے بچ سکتی تھی۔

"ٹرین چلنے والی ہے بیٹی۔۔۔" دادی نے اندیشے سے گھرے لہجے میں کہا۔

"زندگی کی ضروریات سچی اور پکی محبت پر بھی حاوی ہو جاتی ہیں۔۔۔ چڑچڑا پن پیدا کر دیتی ہیں اندر تک۔۔۔ ہر جذبہ بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ پچھتاوے کی اوس ہی رہ جاتی ہے پیچھے پھر۔۔۔"

دادی پیار سے بولتی چلی گئیں۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

ایسے ہی پیار سے اسے ممی اور ڈیڈی نے بھی سمجھایا تھا۔ جب نایاب نے ان دونوں کے آگے راحیل کا نام لیا تھا۔ حالانکہ غیر ضروری پیار سے اپنی بات منوانا یا سمجھانا دونوں کا ہی خاصا نہیں تھا۔ خاص طور پر ممی کا۔۔۔ ان کی ہر بات میں حکم کا عنصر نمایاں ہوتا تھا۔ راحیل کے نام پر انہوں نے در نایاب کو ایسے دیکھا جیسے ان کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ اس پر ہنسیں یا اس کی عقل پر ماتم کریں۔

ڈیڈی نے غصے سے گلاس فرش پر دے مارا تھا۔

یہ نایاب کی زندگی کا اس گھر میں ہونے والا کسی بھی فرد کا سب سے شدید رد عمل تھا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔" ڈیڈی تقریباً "چلائے۔

"اس لڑکے کو میں اپنی فیکٹری میں آفس بوائے کے طور پر نہ رکھوں۔۔۔ اور تم اسے۔ اس گھر کا داماد بنانا چاہتی ہو۔"

وہ جانتی تھی راحیل کا نام لیتے ہی اس طرح کی باتیں کی جائیں گی۔ وہ ان ساری باتوں اور رویوں کے لیے تیار تھی۔ پھر بھی ڈیڈی کے اس روپ سے وہ لمحے بھر کے لیے ساکت ہو گئی۔

"دنیا میں ہر شخص آپ کے جتنا امیر نہیں ہوتا ڈیڈی۔"

"جو ہمارے اسٹیٹس کے ہیں، تم ان میں سے چوائس کر لو۔"

"یہ اب ممکن نہیں۔"

"تم فیصلہ کر چکی ہو؟"

"جی۔۔۔"

"تو پھر ہمیں کیوں بتا رہی ہو۔"

"اس بارے میں آپ کا فیصلہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"ہماری طرف سے انکار ہے۔۔۔ حتمی۔" اب کے ممی بولی تھیں۔ وہ موضوع کی شروعات سے ہی نایاب کی اس گستاخی کو جیسے برداشت کیے بیٹھی تھیں۔

بحث ختم ہو گئی۔۔۔ بے نتیجہ ہی۔۔۔ اور اگلے ایک ہفتے تک وہ تقریباً "بیمار رہی تھی۔ راحیل سے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ تعلق ایسا تھا جس میں ایک فریق بہت سے مرحلوں کو چھپا رہا تھا۔ اگلی زندگی کو بہتر کرنے کے لیے۔

"تو یہ صلہ دے رہی ہو تم ہمارے پیار کا۔" ممی، ڈیڈی دونوں ایک دن خود اس کے کمرے میں آئے۔۔۔ نایاب نے کافی دنوں سے خود کو اپنے کمرے میں قید کر رکھا تھا۔

"بچپن میں تم اپنی کلاس کی غریب لڑکیوں کی مدد کیا کرتی تھیں۔ آج یہ جذبہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ تم خود کو ہی خیرات کر رہی ہو۔"

وہ خاموش لبوں اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ دونوں کی گفتگو سنتی رہی۔

"اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے سامنے کیا مثال قائم کر رہی ہو تم۔۔۔ کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں۔۔۔ ہماری تربیت کی اور خود اپنی بھی۔۔۔"

"کوئی ایک خوبی۔۔۔ کوئی ایک خوبی بتاؤ اس لڑکے کی۔"

"سوائے محبت اور شاعری کرنے کے۔"

وہ کوئی خوبی نہ بتا سکی۔ راحیل میں جتنی خوبیاں نایاب کو نظر آئی تھیں' وہ ساری محبت کی پیدا کردہ تھیں۔ ممی' ڈیڈی فیکٹس اینڈ فیگر سے ہر چیز کو جانچنے والے۔۔۔ ان کے سامنے ان باتوں کا ذکر کرنا ہی لاحاصل ثابت ہوتا۔۔۔ پر اس نے ہمت کر کے ایک حل ضرور بتا دیا تھا۔۔۔ اور دونوں اسے مزید حیرت سے دیکھنے لگے۔۔۔ جیسے اب تو نایاب واقعی ہی پاگل ہو گئی ہو۔

"اوہ گاڈ!" ڈیڈ نے ایک طنز بھرا قہقہہ لگایا۔

"یعنی اب ہماری محنت سے لگائی گئی فیکٹری میں وہ لوگ کام کریں گے۔۔۔ جو شعر و شاعری سے رغبت رکھتے ہیں۔"

اسے ڈیڈ کا راحیل کی اس طرح بے عزتی کرنا بے حد برا لگا۔

"میں گارمنٹس کا کام کرتا ہوں نایاب۔۔۔ میرا ارادہ کبھی بھی کوئی پبلی کیشنز ہاؤس کھولنے کا نہیں ہے۔"

"خزانوں میں مزید خزانے شامل نہ ہوں تو آخر میں بنجر زمین بھی اپنی نہیں رہتی۔۔۔ اور ہم اسے کیوں سیٹل کروائیں۔۔۔ جب ایک سے بڑھ کر ایک سیٹلڈ لڑکا تمہارے امیدوار کے طور پر موجود ہے۔"

ممی نے جھوٹ تو نہیں کہا تھا۔ تقریباً" ہر پارٹی' ہر گیدرنگ میں وہ نایاب کو فلاں' فلاں اور فلاں دکھاتی رہتی تھیں۔ ان کی اعلا قابلیت اور کاروباری صلاحیتوں کا بایوڈیٹا فراہم کرتی تھیں۔ خود وہ نایاب کے ایک اشارے کی منتظر تھیں۔

"صرف تمہارے ہاں کرنے کی دیر ہے میری جان۔۔۔ مسز درانی میری بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔ راحت تو میری بہنوں کی طرح ہے۔ باتوں باتوں میں تمہارا ذکر بھی کر چکی ہے۔

عدیل ماڈلنگ میں جانے کا ارادہ بھی رکھتا ہے۔۔۔ اسے دیکھ کر تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس کے اندر تہلکہ مچا دینے کے سارے وصف موجود ہیں۔"

ممی اسے اپنی نظر میں پرفیکٹ لڑکے دکھاتی رہیں۔ ان کے بارے میں بتاتی رہیں۔ لیکن جو نایاب کی نظر میں سما چکا تھا اس کے لیے وہ دونوں ہی ہامی نہیں بھر رہے تھے۔

اس لیے وہ آج چلی آئی تھی۔۔۔ گھر چھوڑ کر۔۔۔ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ رات ہی اس نے اپنا چھوٹا سا بیگ تیار کر لیا تھا اور صبح ناشتے سے پہلے نکل آئی تھی۔۔۔ دبے پاؤں یا چوری چھپے نہیں۔۔۔ نہ ہی اپنے کمرے میں کوئی خط چھوڑ کر۔۔۔ جس وقت وہ گھر سے نکلی' ممی اٹھ چکی تھیں۔۔۔ اگر نایاب نے ان کے پیار کے بدلے ان کی بات نہیں مانی تھی تو انہوں نے بھی نایاب سے پیار کے ناتے نایاب کی ضد کو پورا نہیں کیا تھا۔

ٹرین سے اتر کر وہ تقریباً" اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی ایمپائر بلڈنگ تک آئی تھی۔ لفٹ تو حسب معمول خراب ہی تھی۔ ساری بلڈنگ ناقص اور سستے فلیٹس سے پر تھی۔ کوئی ایک آدھ چیز خراب ہو جاتی تو مہینوں ٹھیک ہونے کا نام نہ لیتی۔ نہ مکینوں کے پاس اتنی گنجائش ہوتی کہ ٹھیک کروانے کے فنڈ میں بڑھ چڑھ کر حصہ ڈال سکتے۔

دسویں فلور تک کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے اور چھوٹے سے بیگ کو سنبھالتے سنبھالتے وہ جیسے صدیوں کا سفر کر کے آئی تھی۔ دو بیل دینے پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو اسے احساس ہوا کہ راحیل اس وقت اپنی جاب پر گیا ہوگا۔ ہینڈ بیگ سے چابی نکال کر اس نے خود ہی دروازہ کھولا تھا۔

گھر سے نکلتے وقت وہ دونوں چابیاں اپنے ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ یہ دونوں ایکسٹرا چابیاں ہمیشہ اس کے پاس ہی رہتی تھیں اور راحیل کے پاس ایک واحد اور آخری چابی ہوتی تھی۔

اندر داخل ہو کر اس نے فلیٹ کو روشن نہیں کیا

تھا۔ باہر سے جتنی روشنی آرہی تھی وہ اس کے لیے کافی تھی۔

اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے یہ کمرہ بہت پیارا لگا۔ نیا نیا۔۔۔ اجلا سا۔۔۔ ہر چیز صرف مہینہ پہلے ہی تو خریدی گئی تھی۔۔۔ نئی، مہنگی اور نفیس۔۔۔ ڈیڈی پر رعب ڈالنے کے لیے۔

ڈیڈی نے راحیل کو دو سال کا ٹائم دیا تھا۔ ایک طرح کا نایاب کو بھی۔۔۔ اس کی ذہنی حالت پر ترس کھا کے۔

"اگر وہ تم سے محبت کرتا ہے تو دو سال کے اندر اندر کچھ اچیو کرکے دکھائے۔ میری سوچ، میرے مشاہدے کو غلط ثابت کرے۔۔۔ وہ ثابت کردے گا اگر اس میں آگے بڑھنے کا جذبہ ہوا تو۔۔۔" ڈیڈی نے کہا تھا اور سارا معاملہ دو سال کی محنت اور جدوجہد کے سپرد ہوگیا تھا۔

دو سال کیسے گزر گئے پتا ہی نہیں چلا۔۔۔ بے تحاشا کوششوں کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔ سارے حالات جوں کے توں ہی رہے۔ بلکہ ٹھہرے پانی میں مزید کائی لگنا شروع ہوگئی۔۔۔ اور دونوں نے سوچا تھا کہ وہ بزنس مین ڈیڈی کو بے وقوف بنالیں گے۔

جتنی دیر ڈیڈی راحیل کے فلیٹ میں بیٹھے رہے۔۔۔ خاموش رہے۔۔۔ اور کچھ جھوٹ اور کچھ سچائی پر مبنی راحیل کی گفتگو سنتے رہے۔

نایاب نے اپنی دو سالوں کی اکٹھی ہوئی سیونگ کے پیسے بھی راحیل کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیے تھے اور فلیٹ کو بہتر کرنے کے لیے بھی دونوں نے بہت کچھ کیا تھا۔

اور ڈیڈی۔۔۔ سب کچھ صرف دیکھ نہیں رہے تھے، بلکہ یاد کررہے تھے۔

گھر آکر انہوں نے نایاب کو ایک ایک چیز کی تفصیل دی تھی۔ خریدی گئی ہر چیز کی رقم اور خریدار کے اکاؤنٹ نمبر کے ساتھ بتایا تھا۔ وہ نایاب ہی تو تھی اور راحیل کے سارے جھوٹ جو دونوں نے مل کر گھڑے تھے۔

نایاب شرمندہ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے یہ سب راحیل کی محبت میں ہی کیا تھا اور جو قدم اس نے آج اٹھایا تھا وہ بھی صرف راحیل کی محبت میں ہی اٹھایا تھا۔

فلیٹ میں داخل ہوکر اس نے راحیل کو کال کی۔

"راحیل! میں آگئی ہوں۔۔۔ اپنا گھر چھوڑ کر۔۔۔ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ پلیز اس وقت کوئی سوال جواب مت کرنا۔۔۔ باقی بات شام میں کرتے ہیں۔"

راحیل نے گہرا سانس لیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" وہ اتنا ہی کہہ پایا۔

فون بند کرکے وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دل جو صبح سے بری طرح سے دھڑک رہا تھا، اس کی رفتار بھی نارمل ہوئی۔ کچھ وہ کل رات سے جاگ رہی تھی، اس وجہ سے بھی بیڈ پر بیٹھتے ہی سکون کی ایک گہری لہر نے اس کے پورے وجود کو اپنے احاطے میں گھیر لیا تھا۔

"میں محبت کے سہارے جی لوں گی۔"

اس نے ایک بار پھر خود کو یقین دلایا۔

☼ ☼ ☼

"بکس کہاں ہیں میری؟" کمرے میں تیزی سے داخل ہوکر راحیل نے ہانپتے ہوئے پوچھا تھا۔ جیسے وہ دو کمروں کے فلیٹ کا کونا کونا چیک کرچکا ہو۔

نایاب کپڑے استری کررہی تھی۔ سوال جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں بکس کہاں ہیں میری۔" وہ تیز ترین آواز میں گویا ہوا۔

"کون سی؟" منہ کو قدرے انوکھے زاویے پر لے جاتے ہوئے نایاب نے پوچھا تھا۔

"پوئٹری کی۔۔۔" وہ نظریں چرانے لگا۔

"پھینک دیں۔" نایاب کو جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔

"کیا۔" وہ چلایا۔ "پھینک دیں۔۔۔" حیرانگی اس کی آنکھوں میں بھر گئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ یاد آیا۔۔۔ پھینکی نہیں۔۔۔ جلادی تھیں۔۔۔" کاٹ دار لہجے میں بولتی وہ جیسے اس کا تمسخر

اڑا رہی تھی۔ راحیل کا دماغ سُن ہونے لگا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو... تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔"

"ہاں... بالکل... پاگل ہو گئی ہوں میں۔"

"تم ایک نفسیاتی مریضہ ہو۔"

"چلاؤ... اور چلاؤ مجھ پر... تم چلانے کے سوا اور کام ہی کیا کر سکتے ہو۔" اب کے نایاب بھی چیخی تھی۔

"تمہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔ تم مجھے تنگ کرنا چاہتی ہو نا۔ ہر وقت ستاتے رہنا چاہتی ہو... یہ بتانا چاہتی ہو کہ میرا تم سے شادی کرنے کا فیصلہ ہی غلط تھا۔"

"فیصلہ تو میرا غلط تھا مسٹر راحیل... تم خود کو کیوں دوش دیتے ہو... دماغ تو میرا خراب تھا۔ جو میں اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے پاس چلی آئی۔"

"تو نہ آتیں... کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ گھر چھوڑ آؤ اپنا' میری خاطر... یہ قدم تم نے خود اٹھایا تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھی۔"

"پھر تم نے اس فیصلے میں میرا ساتھ کیوں دیا۔ فلیٹ سے نکال دیتے مجھے... شاید میں اپنی غلطی کو سدھار لیتی... واپس چلی جاتی۔"

"تو اب چلی جاؤ... کس نے روکا ہے۔"

"جو غلطی کی ہے' اس کی سزا تو بھگت لوں پہلے۔"

"تم تو کہتی تھیں کہ تم دولت اور آسائشوں کے بغیر بھی گزارہ کر لو گی... کبھی شکوہ نہیں کرو گی... میری محبت تمہارے لیے کافی ہے۔"

"ایسی ہی غلط فہمی مجھے بھی تو تھی تمہارے بارے میں۔"

"میں جیسا تھا ویسا ہی ہوں... تم بدل گئی ہو... میرے ساتھ جینا تمہارے لیے دوبھر ہو گیا ہے۔"

"ٹھیک کہا... تم جیسے تھے ویسے ہی ہو... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جہاں تھے وہاں پر ہو... میں نے سوچا تھا زیادہ... بہت سارا نہ سہی... کچھ نہ کچھ بہتری تو ہو ہی جائے گی... لیکن بالکل ٹھیک کہتے تھے ڈیڈی کہ راحیل کی ریڑھ کی ہڈی ہی نہیں ہے... اور وہ تمہیں اپنی بیک بون بنانا چاہتا ہے۔"

"تمہیں اپنے ڈیڈ کی باتیں اتنی ہی سچی لگتی تھیں تو مان کیوں نہ لی ان کی بات۔"

"اسی غلطی کو تو کوستی ہوں اب میں... اس بھیانک دن کو تو یاد بھی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے اپنا سوٹ ہینگر میں ڈالا تھا اور الماری میں لگانے کے لیے آگے بڑھی تھی۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اس نے صاف کیا تھا۔ راحیل اس کی شکل دیکھتا رہ گیا تھا۔

"بہت سمجھایا تھا میرے دوستوں نے بھی مجھے کہ یہ امیر گھرانے کی لڑکی چار دن بعد تیری زندگی کو جہنم بنا دے گی۔"

"کیا تم نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ امیر گھرانے کی لڑکی آج اپنے سمیت تمہیں بھی پال رہی ہے۔" وہ طنز سے بولی تھی۔ راحیل لمحے بھر کے لیے لاجواب ہو گیا تھا۔

"احسان گنوا رہی ہو؟"

"اب تو وہ بھی گنوا گنوا کر تھک گئی ہوں۔"

"کیا میں کوشش نہیں کرتا تمہارے اس لائف اسٹائل کو بدلنے کے لیے اور تمہارے اس لائف اسٹائل جس کی تم عادی رہی ہو کے لیے جدوجہد نہیں کرتا۔"

"تمہاری ہر کوشش' ہر جدوجہد سطحی ہے راحیل... بڑی کامیابی کبھی تمہارے قدم نہیں چھو سکے گی۔ کیونکہ تم ایک سطحی آدمی ہو... اوسط درجے کے... تم چاہے شاعری کرو' چاہے پینٹنگ بناؤ... یا کچھ بھی اور... درمیانہ درجہ تمہاری فطرت میں رچ بس گیا ہے۔ تم کبھی اول درجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس اوسط درجے کے حصار کو نہیں توڑ سکتے۔ اوسط درجے کے آدمی کی سوچ ایک خاص رفتار سے آگے کا سفر نہیں کر سکتی۔ ہرن چاہے جتنا مرضی صحت مند ہو جائے زرافے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ گدھا جتنا مرضی طاقت ور ہو' گھوڑے کو ریس میں نہیں ہرا سکتا۔ افسوس کہ مجھے ان باتوں کا احساس بڑی دیر سے ہوا... ان چیزوں کی سمجھ بڑی دیر سے آئی' میری

دادی۔"

"بس چپ کرو۔۔۔ بند کرو اپنی بکواس۔۔۔ بہت ہو گیا۔۔۔ دادی، ممی، ڈیڈی، فرینڈز۔۔۔ میں ان سب کے بیان سن سن کر تنگ آچکا ہوں۔۔۔ نہیں جی سکتا میں ایسی زندگی۔۔۔ نہیں جینا چاہتا۔"

"میں بھی کوئی خواہش مند نہیں رہی، اب ایسی زندگی جینے کی۔"

"تو پھر ایسا کرو تم مجھ سے طلاق لے لو۔" نایاب کی طرف دیکھتے ہوئے وہ چلایا تھا۔ معاملہ ختم کرنے کا آسان طریقہ بتایا تھا اس نے۔

"میری زندگی تمہارے آنے سے پہلے بھی بہتر تھی۔ تمہارے جانے کے بعد بھی یقیناً" بہت بہتر ہو جائے گی۔ طلاق لے لو مجھ سے۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔ چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔ سکون لینے دو مجھے۔"

نایاب سن سی ہو کر راحیل کی صورت دیکھنے لگی تھی۔ جو اپنا سر پکڑے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ نایاب کی آنکھیں اس کی حالت دیکھ کر اور اس کی بات سن کر آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ لیٹے لیٹے ہی اسے نیند آگئی تھی۔ اب اٹھی تو چاروں طرف انجان نظروں سے دیکھنے لگی۔ جیسے نجانے کتنے آگے کے سالوں کا سفر کر کے واپس پلٹی ہو۔ کمرے میں دادی کی گود کی گرمائش پھیلی ہوئی تھی۔

"درِ نایاب!" یادوں سے دادی کی پکار پھر گونجی۔۔۔ ہمیشہ کی طرح مدھم اور پیار بھری۔۔۔ وہ حیرانگی کی مجسم صورت بن گئی۔

"درِ نایاب۔۔۔" پھر پکار آگیا۔

"دادی!" اور سرہانے میں منہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں اس سے۔ بہت محبت کرتی ہوں دادی۔۔۔ بہت زیادہ۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔"

"میں جانتی ہوں۔۔۔ تیری محبت پاکیزہ ہے۔ مقدس ہے، پُرخلوص ہے، بے غرض ہے، بنا شک و شبہ کے ہے۔۔۔ ایسی محبتیں جن دلوں میں ہوں، وہ دل ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔"

"تو پھر میں کیا کروں دادی اب؟"

"اس محبت کو وقت کی تمازت سے نفرت میں بدلنے سے روک لے۔ ابھی بھی وقت ہے۔ واپس چلی جا بیٹی۔"

"کیا میں راحیل کے بغیر جی پاؤں گی دادی؟"

"کیا تو اُس کے ساتھ خوش رہ پائے گی؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں دادی! بہت مشکل ہوگی۔ میں بہت جلد ہی تھک جاؤں گی۔" وہ اعتراف جو وہ مہینوں سے خود سے کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اب بند کمرے میں پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کرنے لگی۔

"درِ نایاب! نہ رو میری بچی۔۔۔ تو رونے والی بچی تو نہیں ہے۔ تجھے پتا ہے تیرے نام کا کیا مطلب ہے۔"

"ہاں۔۔۔ دادی پتا ہے اور یہ بھی کہ اس قیمتی موتی کے لیے قیمتی دھات کا ہونا ہی ضروری ہے۔۔۔ مٹی بھر بھرا جائے گی اور کانسی اس کی ملائمت پر ٹک نہیں پائے گی۔"

وہ بیڈ سے اٹھی۔ گھڑی پر نگاہ ڈالی۔۔۔ اسے گھر سے نکلے پورے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔۔۔ اور اب وہ مزید دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔ اپنا چھوٹا بیگ اس نے واپس اٹھالیا اور کمرے سے نکلنے کے لیے تیار ہوگئی۔

"مجھے تم سے۔ بہت محبت ہے راحیل بہت زیادہ۔۔۔ اتنی کہ میں اس محبت کو نفرت، شکووں، پچھتاووں، دکھوں میں بدلتا نہیں دیکھ سکتی۔" باہر نکل کر دروازے کو لاک کرتے ہوئے اس نے خود سے کہا تھا۔

گھر سے نکلتے وقت وہ دونوں چابیاں اپنے ساتھ ہی لیتی آئی تھی اور راحیل کا فلیٹ چھوڑتے وقت اس نے دونوں چابیوں کو دروازے میں ہی لگا رہنے دیا تھا۔